پاکستان کی ہونہار برطانوی بیرسٹر

تحریر: سہیل احمد لون

ان دنوں میں یونیورسٹی کے ایک پروجیکٹ پر کام کر رہا ہوں جس میں مجھے ایک پیکیج بنانا ہے جس کا عنوان برٹش ایشن مسلم کمیونٹی میں طلاق کی بڑھتی ہوئی شرح کا رجحان، اس کی وجوہات اور ان سے نبٹنے کے لیے اقدامات زیر بحث ہیں۔ پیکیج کے لیے میں نے مذہبی اسکالرز، سوشل ورکر جو شادی سے پہلے دونوں فیملیلز میں مشاورت اور شادی سکے بعد گھریلو تنازعات کی صورت میں ثالثی کا کردار ردا کرتے ہیں، ایسے قانون دان جو فیملی کیسز میں مہارت رکھتے ہیں ان سے انٹرویو کرنے کا انتخاب کیا۔ ماہر قانون دان کے ذہن میں سب سے پہلا نام میرے ذہن میں بیرسٹر ہما پرائس کا آیا۔ میں نے ان سے رابطہ کر کے انٹرویو لینے کا مقصد بیان کیا تو انہوں نے فوراً ہاں کر دی۔ میری طرح ان کی اکلوتی بیٹی بھی ان دنوں آکسفورڈ یونیورسٹی میں گریجوایشن کے آخری سال میں ہے۔ بیرسٹر ہما پرائس نے میری ای میل کے جواب میں لکھا کہ وہ میرے پروجیکٹ کا حصہ بننے کو تیار ہیں مگر ان دنوں وہ بھارت کے شہر ممبئی ہیں جہاں وہ اپنی بیٹی پرنیہ پرائس کے پروجیکٹ کے لیے اس کے ساتھ گئی ہوئی ہیں جو بالیووڈ پر ریسرچ کر رہی ہے۔ یونیورسٹی کے ایک پروجیکٹ کے لیے ہزاروں میل کا فاصلہ طے کر کے روزانہ ایک نئے چہرے کا انٹرویو خصوصاً دیسی شوبز کے لوگوں سے بغیر پرچی کے ایک مشکل ترین ٹاسک ہے جسے وہ ماں بیٹی تین ہفتوں کی مشقت کے بعد کامیابی سے مکمل کر کے لندن واپس لوٹیں۔ بیرسٹر ہما پرائس لندن پہنچ کر ایک نجی ٹی وی چینل پر پریزینٹر کی حیثیت سے لوگوں کو مفید قانونی مشوروں سے نوازنا اور عدالت میں جج کے سامنے پیش ہو کر اپنی پیشہ وارانہ مہارت سے لوگوں کے فیملی اور امیگریشن کے مسائل حل کرنا شروع کر دیے۔ بیرسٹر ہما پرائس نے مجھے انٹرویو کے لیے عدالت میں ہی بلا لیا مقررہ وقت پہنچ کر میں عدالت کے مین ویٹنگ ہال میں بیٹھ گیا۔ ہما پرائس جیسے ہی اپنا کیس نبٹا کر فارغ ہوئیں ہم ہال میں موجود ایک کیبن میں بیٹھ گئے جہاں بہت خوشگوار ماحول میں بڑی سنجیدہ گفتگو ہوئی۔ میں نے بیرسٹر ہما پرائس کو پہلی بار تقریباً ڈیڑھ دہائی قبل ٹی وی چینل پر پروگرام پیش کرتے اس وقت دیکھا تھا جب میں جرمنی میں مقیم تھا۔ جب میں لندن شفٹ ہوا تو یہاں پر مختلف تقریبات میں جانے کا اتفاق ہوا تو بیرسٹر ہما پرائس کا تبسم سے بھرپور چہرہ ضرور نظر آتا۔ تقریبات میں ایک صحافی کی حیثیت سے تصاویر اور ویڈیو فوٹیج بھی بناتا مگر آج تک ایسا لمحہ نہیں آیا جب میرے کیمرے کی آنکھ نے ہما پرائس کے چہرے پر کوئی تناؤ دیکھا ہو۔ ہر وقت مسکراتے چہرے کے پیچھے کتنا کرب چھپا تھا وہ مجھے انٹرویو کے بعد رسمی بات چیت سے پتہ چلا۔ میرا ذاتی خیال ہے کہ کبوتر اور کوا زیادہ دیر تک اکٹھے نہیں رہ سکتے۔ Office of the National Statistics UK کے حالیہ اعداد و شمار کے مطابق گزشتہ دس برسوں میں برٹش ایشن میں طلاق کی شرح تقریباً 20 فیصد بڑھ گئی ہے اور شادی کا بندھن قائم رہنے کی اوسط عمر 32 برس تک رہ گئی ہے یعنی اب پارٹنر تو ہو گا مگر لائف پارٹنر نہیں۔ حیران کن طور پر برطانیہ میں اس وقت طلاق کی شرح یورپ کے تمام ممالک سے زیادہ ہے۔ ان حالات میں بیرسٹر ہما پرائس کا مسٹر پرائس کے ساتھ کامیاب ازدواجی زندگی گزارنا میرے کبوتر اور کوے کے فلسفے کو غلط ثابت کر دیا۔ ہما پرائس صرف دس برس کی عمر میں برطانیہ آئیں، لاہور کے کانوینٹ سکول میں تعلیم کا آغاز کرنے

والی ہماپرائس کم عمری میں برطانیہ آئی تو باپ کے شفقت سے سائے سے محروم تھیں ان کی ماں نے نہ صرف محنت مزدوری کر کے بنیادی ضروریات پوراکیں اس کے ساتھ ساتھ اپنی بیٹی کو مذہب، ثقافت، زبان اور روایات کی بھی تربیت کی۔آج اس کا ثمر یہ ہے کہ ہماپرائس کی بیٹی لندن میں پیدا ہو کر آکسفورڈ یونیورسٹی تک پہنچ گئی ہے مگر اس میں بھی وہ تمام خوبیاں ہیں جو ہماپرائس میں پائی جاتی ہیں۔ ہماپرائس کی ماں نے حالات سے مردانہ وار مقابلہ کرتے ہوئے ان کی ایسی پرورش کی کہ آج وہ عدالتوں میں لوگوں کو ان کے حقوق دلانے کی قانونی جنگ لڑنے میں مصروف ہیں۔جب وہ اپنے کیس سے فارغ ہوئیں تو ان کے کلائنٹ چلے گئے تو ہماپرائس نے ایک آہ بھر کر ان کے کیس کی کامیابی کے لیے دعا کی، اپنے پیشے سے عقیدت رکھنے کے ساتھ ساتھ وہ دکھی کلائنٹ کے ساتھ جذبائیت کا رشتہ بھی بنا لیتی ہیں۔ہماپرائس میں ایک خوبی یہ بھی ہے کہ وہ پاکستان کی سافٹ امیج عوام الناس کے سامنے لانے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتی۔گزشتہ دنوں وہ پاکستان گئیں تو انہوں نے وہاں کی نجی ٹی وی چینل پر ایسے لوگوں کو سٹوڈیو بلا کر انٹرویو کیے جن کے کاموں اور ناموں کا لوگوں کو پتہ نہیں تھا۔طلاق کے معاملے پر ہماپرائس کا کہنا تھا کہ ہم سکول اور کالجز سے بہت کچھ سیکھتے ہیں مگر بدقسمتی سے ہمیں گھر کے معاملات چلانے کے لیے کوئی تعلیم نہیں دی جاتی۔سکول جانے والا ہر بچہ مستقبل میں ماں یا باپ تو بنے گا اگر سکول میں نصاب کے ذریعے ان کو گھریلو معاملات حل کرنے کی تعلیم دی جائے تو شادیاں کامیاب بنائی جا سکتی ہیں۔انہوں نے نجی، سماجی، اور پیشہ وارانہ زندگی میں ایسا توازن قائم کر رکھا ہے کہ جسے دیکھ کر لگتا ہے کہ وہ زندگی کا ہر پل بھرپور انداز سے گزارنا چاہتی ہیں۔اپنی بیٹی کے پیدا ہونے کے بعد صرف اس کی پرورش پر مکمل توجہ دینے کی خاطر کچھ عرصہ وہ پیشہ وارانہ زندگی سے کنارہ کش رہیں۔ بلاشبہ وہ ایک کامیاب خاتون ہیں، عام طور پر کہا جاتا ہے کہ ایک کامیاب مرد کے پیچھے ایک عورت کا ہاتھ ہوتا ہے مگر ہماپرائس کی کامیاب زندگی کو دیکھ کر یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ ایک کامیاب عورت کے پیچھے بھی ایک عورت کا ہاتھ ہو سکتا ہے۔برٹش ایشنز کی ایک کثیر تعداد اپنی خواتین کو معاشرے کا مفید شہری بننے کے مواقع فراہم نہیں کرتے، اکثر مائیں انگریزی زبان نہیں جانتیں جس کا اثر بچوں کی تعلیم و تربیت پر بھی ہوتا ہے۔ڈیوڈ کیمرون نے بھی حالیہ بیان میں کہا ہے کہ وہ مسلم خواتین کی تب سپورٹ کریں گے جب وہ انگریزی زبان میں بات کریں گی۔اس وقت برطانیہ میں تقریباً بائیس فیصد مسلم خواتین کو انگریزی زبان نہیں آتی۔وزیر اعظم کیمرون نے زبان سکھانے کے لیے کلاسز کے لیے خصوصی فنڈز دینے کا بھی عندیہ دیا ہے۔بیرسٹر ہما کے حالات زندگی سن کر یہ بات تو انتہائی آسانی سے سمجھ میں آجاتی ہے کہ یہ دنیا حوصلہ مند اور بہادر انسانوں کیلئے اللہ تعالی نے بنائی ہے۔وہ جو زندگی میں جہدِ مسلسل کو اپنا شعار بناتے ہیں اور بے رحم زندگی کے مقابلے کسی چٹان کی طرح ڈٹے رہتے ہیں۔پاکستان کی اس ہونہار بیٹی پر جتنا فخر کیا جائے کم ہے کہ ایسے کردار زندگی میں روز روز سامنے نہیں آتے۔

تحریر: سہیل احمد لون

سربٹن۔سرے

sohailoun@gmail.com

22-01-2016